موسم گل حیران کھڑا ہے

کلیم احسان بٹ

::

::

::

سخن پبلشرز، سمن آباد، لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	موسم گل حیران کھڑا ہے
شاعر	کلیم احسان بٹ
سن اشاعت	۱۹۹۹
تعداد	۵۰۰
قیمت	۱۲۰ روپے
مطبع	شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
مقام اشاعت	سخن پبلشرز، گلی نمبر ۳۶ ۱۵۱ اے بینک کالونی سمن آباد لاہور

انتساب

پیارے بھانجے

منیب زیب

کے نام

اپنی تلاش کا سفر

میں آپ اپنی تلاش میں ہوں۔میں نے اپنی تلاش کے سفر میں رہبر بھی اپنے آپ کو چنا۔میں منزل منزل بھٹکتا رہا۔میری چاروں جانب صرف راستے ہی راستے تھے۔میں ہر راستے پر اتنی دیر تک چلتا رہا جب تک معلوم نہ ہو گیا کہ میری منزل اس راستے پر نہیں ہے۔میں لوٹ کر پھر اپنے مرکز کی طرف آ جاتا ہوں۔اور از سرِ نو راستے کا تعین کرتا ہوں۔روحِ عصر اور تاریخی شعور میرے کسی کام کے نہیں۔کسی دوسرے کے تجربات سے میں کسی دوسرے کی منزل پر پہنچ سکوں گا۔لہذا میں آگ میں جل کر یقین کر لینا چاہتا ہوں کہ شعلے پھول بن سکتے ہیں۔میں آگ میں جل جانا چاہتا ہوں۔اس لیے نہیں کہ میں ابراہیم کے تجربے کی نفی چاہتا ہوں بلکہ اس لیے بھی کہ میں ابراہیم نہیں ہوں۔اور میں اپنا اثبات چاہتا ہوں۔

دنیا نے روٹی کو خدا کر کے دیکھ لیا ہے۔روٹی روٹی سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہو سکی۔اگر روٹی ہی انسان کا سب کچھ ہے تو موتی تو ندوں والے پریشان کیوں ہیں۔کتا روٹی کھا کر نہیں بھونکتا مگر ہم انسان ہیں۔ہمیں روٹی ڈال کر بھونکنے سے منع نہیں کیا جا سکتا۔ہماری منزل کوئی اور ہے۔چلو واپس چلتے ہیں۔میں آپ اپنی تلاش میں ہوں۔اور میں نے اپنی تلاش کے سفر میں رہبر بھی اپنے آپ کو چنا۔میرے چاروں جانب راستے ہی راستے تھے۔میں منزل منزل بھٹکتا رہا

اور ایک وہ ہے جو کہتا ہے کہ آدم کا پہلا ہمارا آخری گناہ ہوگا اور دنیا صرف گناہگار جسموں کی افزائش کرتی رہے گی۔ خواہ اس کے لیے وہ سماج سے اجازت نامہ لے لے یا صرف دو دلوں کی گواہی کافی سمجھے۔بہر حال ہم ایسے درخت کی مانند ہیں جو جس بیج سے اگتا ہے اس جیسے بہت سے بیج چھوڑ کر مر جاتا ہے۔میں آدم کی اولاد سہی مگر میں جو گناہ دہرا رہا ہوں میرا اپنا ہے۔اور میں نے اسے نیکی کا روپ دے لیا ہے۔میں اسے محبت کہہ لیتا ہوں مگر میری محبت کی آخری حدیں بھی مجھے احساس گناہ سے نجات نہیں دے سکیں اور میں اب بھی بے خواب راتوں میں برہنہ جسموں کے خوش پیکر

ہیولوں سے اپنی نیند کا خام مال تیار کرتا ہوں۔اور جب کبھی رات پچھلے پہر ایک خوش کن سے تھکاوٹ کا احساس میرے پیکر سے نکل پڑتا ہے۔تو میں پھر لوٹ کر اپنی طرف آ جاتا ہوں۔اور از سرِ نو رستے کا تعین کرتا ہوں۔

میں آپ اپنی تلاش میں ہوں۔ میں نے اپنی تلاش کے سفر میں رہبر بھی اپنے آپ کو چنا۔میں منزل منزل بھٹکتا رہا۔ میرے چاروں جانب راستے ہی راستے تھے۔

اور وہ جو دھوئیں کی طرح ہوا میں کہیں اوپر جا کر جانے کس شے میں تحلیل ہوا جاتا ہے۔اپنا ان دیکھا مگر سوچا خدا۔ میرے ہاتھوں کی لکیروں سے مٹا جاتا ہے۔ ہر اک قوم، ہر اک شخص خدا رکھتا ہے اور کسی کا بھی خدا کسی دوسرے کے خدا سے نہیں ملتا۔میں نے بھی اک اپنا خدا بنا رکھا ہے۔بعض اوقات وہ یوں مجھ میں اتر جاتا ہے کہ وہ پانی جو میرے اندر تو کناروں سے کہیں نیچے ہے اس کے حجم سے دب کر اتنی اوپر بھی چلا آتا ہے کہ میری آنکھوں سے خون بن کر بھی ٹپک جاتا ہے۔بعض اوقات میں بھی کسی روزن سے اس کے سینے میں اتر جاتا ہوں اور اک داغ سا بن جاتا ہے۔اس اندھیرے غار میں داغ کا رنگ پھر مجھ کو ڈرا دیتا ہے۔ چیخ اٹھتا ہوں۔صدا حلق تک نہیں آتی۔ بھاگتے بھاگتے پھر وہیں آ جاتا ہوں میں جہاں سے سفر پہ نکلا تھا۔

میں آپ اپنی تلاش میں ہوں۔میں نے اپنی تلاش کے سفر میں رہبر اپنے آپ کو چنا۔

اور تاریخ نے انسان کو ترقی دے کر کتنا احسان کیا ہے اس پر۔اب تو بندر سے آگے چلا آیا ہے گو ابھی اس کے نشان باقی ہیں۔یا ہم آج اسے بندر سمجھ رہے ہیں جس کو کل انسان ہی ہو جانا ہے اور بندروں کے کھیل بھی عجب ہیں۔چاند پر جا کے کمند ڈالی ہے اور لٹکتا، پھدکتا سیاروں کو چھلانگ رہا ہے۔کہیں مٹی نہیں ملتی کہیں پانی نہیں ملتا۔اگر سب کچھ مل بھی جائے تو اسے ایسا کوئی بندر نہیں ملتا جس نے انسان تک ترقی حاصل کر لی ہو یا جس کو کل انسان ہی ہو جانا ہے۔بہتر ہے واپس زمین پر چلے آئیں۔بندر بن کر نہیں انسان بن کر یا تم بندر رہو مجھے انسان رہنے دو۔کیونکہ میں تمھاری نفی نہیں چاہتا مگر اپنا اثبات ضرور چاہتا ہوں۔کوئی بات نہیں میں تھک ہار کے لوٹ آیا ہوں۔چاند اور مریخ سے واپس اپنی زمین پر۔پھر اسی نقطے پر یا نکتے پر جہاں سے میں نے سفر کا آغاز کیا تھا

میں آپ اپنی تلاش میں ہوں۔میں نے اپنی تلاش کے سفر میں رہبر بھی اپنے آپ کو چنا۔میں منزل منزل بھٹکتا رہا۔میرے چاروں جانب راستے ہی راستے تھے۔

میں تھک ہار کے ٹوٹ چکا تھا۔ کرچی کرچی بکھر چکا تھا۔ مجھ میں ہمت نہ تھی سفر آغاز کروں۔ میں نے بڑی مشکل سے ریزہ ریزہ جمع کیا اور یوں اپنے مرکز کے اوپر اور اس کے ذرا ارد گرد سفر کرتا رہا۔ جب میں جڑ گیا تو منزل مجھے مل چکی تھی۔ یہ وہی مقام تھا جہاں سے میں سفر آغاز کرتا تھا۔ ہر شے کو اپنے آغاز کی طرف لوٹ جانا ہے۔ میں تھک ہار کے اپنے آغاز کی طرف لوٹا تھا۔ میں نے منزل تو پا لی ہے مگر اس کا اعلان ابھی باقی ہے۔ میں ڈھول کی تھاپ پر پہلا رقص کرنے والا ہوں مگر ہمت نہیں پڑتی۔ نعرہ انا الحق اتنا آسان بھی نہیں۔ منصور سولی پر چڑھ جاتا ہے۔ میں سولی سے تو نہیں ڈرتا مگر روح عصر اور تاریخی شعور میرے کسی کام کے نہیں۔ کسی دوسرے کے تجربات سے میں کسی دوسرے کی منزل تک پہنچ سکوں گا۔ میں سولی پہ چڑھ جانا چاہتا ہوں اور یقین کر لینا چاہتا ہوں کہ میں خدا نہیں ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں منصور کی نفی چاہتا ہوں بلکہ اس لیے بھی کہ میں اپنا اثبات چاہتا ہوں۔ مگر جانے کیوں اس کے باوجود یہ میری خواہش ہے۔ میرے چاروں طرف ڈھول بج رہے ہوں میرے آنکھوں سے خون بہہ رہا ہو اور میں مستانہ وار رقص کرتا جاؤں میں آنکھوں میں ایک قطرہ خون بھی باقی نہ رہے میرے اور میرے خدا کے جسم میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔ میرے اندر روشنی ہی روشنی ہو جائے۔ میں خدا نہ ہوں اور خدا ہو جاؤں۔ میں باقی بھی رہوں اور فنا ہو جاؤں۔

میں آپ اپنی تلاش میں ہوں۔ میں نے اپنی تلاش کے سفر میں رہبر بھی اپنے آپ کو چنا۔

کلیم احسان بٹ

امی لقب سے نسبت بانٹی مجھ کو یاد رکھا
انسانوں میں الفت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

من اور سلویٰ سے بھی بڑھ کر رزق دیا ہے تو نے
کام و دہن میں لذت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

تو نے پائے ہمت کو خود ذوقِ مسافت بخشا
دشت و جبل میں وسعت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

تو نے میرے قدموں میں کوہسار دیے ہیں مولا
شان و شوکت ،نصرت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

میں نظروں میں تھا جب تو نے حرفِ قناعت لکھا
صبر اور شکر کی دولت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

تیری سخاوت سے پایا ہے عجز فرشتوں جیسا
انسانوں میں عظمت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

تو نے دیا ہے چپ کو میری درویشی کا درجہ
تو نے نطق کی قدرت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

تو نے ادنیٰ لفظوں کو تاثیر عنایت کی
شعر و سخن میں حکمت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

جب بہنوں کو عصمت بخشی مجھ پر کرم کیے
جب بھائیوں میں غیرت بانٹی مجھ کو یاد رکھا
تو نے عمر کا ساتھی مجھ کو من چاہا دے ڈالا
دنیا میں جب جنت بانٹی مجھ کو یاد رکھا
مجھ کمزور کو تو نے اپنی حفظ امان نوازی
اہلِ ستم میں طاقت بانٹی مجھ کو یاد رکھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حرف کچھ بھی نہ تھے نعت کے واسطے
میں نے موتی چنے نعت کے واسطے

کوہ و صحرا میں ذکرِ نبی ﷺ عام ہے
موجِ دریا چلے نعت کے واسطے

پڑھ رہی تھیں ہوائیں درود و سلام
جب پرندے اڑے نعت کے واسطے

دل پھلوں کے محبت سے لب ریز ہیں
رس ٹپکنے لگے نعت کے واسطے

جو بھی پیدا کیا جن، ملائک، بشر
اس نے پیدا کیے نعت کے واسطے

اتنا روشن رہا میرا دل دوستو
جتنے مضموں ملے نعت کے واسطے

کون ہے اس جہاں میں جو عاجز رہے
خود خدا جب کہے نعت کے واسطے

یا خدا میری کرنا خطائیں معاف
شعر کم ہو سکے نعت کے واسطے

آسماں کی ر د ائے سیاہ پر محیط
اس نے تارے لکھے نعت کے واسطے
برگِ گل مسکرا کے محمد ﷺ کہے
اس پہ شبنم گرے نعت کے واسطے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خیال آج مرے روبرو حسین کا ہے
جو دوڑتا ہے رگوں میں لہو حسین کا ہے
ہمارے ہاتھ بنے ہیں کمک یزیدوں کی
نہیں حسین کا میں بھی نہ تو حسین کا ہے
پسِ سجود اٹھائی ہے لاش کتنوں کی
سو خونِ آلِ پیمبر وضو حسین کا ہے
یہ کہہ کے آج بھی نہرِ فرات روتی ہے
کہ پسر پیاسا لبِ آب جو حسین کا ہے
زمانے بھر میں کوئی ایک ہو نہیں سکتا
جو حق پسند ہے لیکن عدو حسین کا ہے
شرف لہو سے نہیں ہے کسی کو نسبت کا
ستم سے ہوتا ہے جو دو بدو حسین کا ہے
صداقتوں کا یہ پرچم سدا بلند رہے
یہ نوکِ نیزہ پہ گویا گلو حسین کا ہے
مجھے تو فاتحِ خیبر کی یاد آئی خلش
علی کا چہرہ ہے جو ہو بہو حسین کا ہے

اہلِ سخن کی شوخیء فن حق شناس سے
آنے لگی ہے بوئے چمن آس پاس سے
جنت میں جو سنے تھے وہ چشمے یہیں پہ ہیں
کوثر کے گھونٹ پیتا ہوں راوی بیاس سے
اترے ہوئے ہیں چاند سے سرسوں کے کھیت میں
چمکے ہوئے ہیں کیسے ستارے کپاس سے
اہلِ چمن پہ جانے کیا افتاد آ پڑی
سہمے ہوئے ہیں سرو و سمن تک ہراس سے
میں نے سنا تھا شام چمن خوش گوار ہے
مجھ کو تو سارے پھول ملے ہیں اداس سے
جی چاہتا ہے خاک کی حرمت پہ مر مٹوں
جینا مرا ہو ایسے ہی مرنے کی آس سے
چہرے پہ یا الٰہی شہادت کے پھول ہوں
لپٹا ہوا ہو چاند ستارا لباس سے

☆☆☆☆☆☆☆☆

چشمِ پُر نم نے کہا سارا فسانہ میرا
ضبط کرتا تو کبھی حال نہ کھلتا میرا

وہ تو پھر غیر ہے غیروں سے شکایت کیسی؟
دھوپ کے ساتھ بدل جاتا ہے سایہ میرا

فا ئدہ اتنا ہوا دستِ بریدہ کا مجھے
کسی مشکل میں کبھی ہاتھ نہ پھیلا میرا

جس پری وش کے لیے دکھ کے سفرکو کاٹا
اس نے دیکھا ہی نہیں روح کا چھالا میرا

داغ ِ دامن نہیں پیمانہ ء کردار خلش
میرے ملبوس سے تھا جسم تو اجلا میرا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو درد مری روح میں پھیلا نہیں ملتا
اب دائرہ در دائرہ د ر یا نہیں ملتا

تدبیر کا مرہم بھلا کیا کام کرے گا
تقدیر کے زخموں کا مدا و ا نہیں ملتا

اس شہر کی گلیوں میں کسے ڈھونڈ رہے ہو
ٹوٹے ہوئے خوابوں کا مسیحا نہیں ملتا

اغراض نے اخلاص کی صورت ہی بدل دی
اب کوئی کسی سے کبھی بے جا نہیں ملتا

☆☆☆☆☆☆☆

ہر نفس موجہ ء بے تاب کی اک صورت ہے
زندگی ذات میں گرداب کی اک صورت ہے
اشک بھی رکھتا ہے اک اپنی زباں سمجھو تو
حرف بھی قطرہء خوناب کی اک صورت ہے
لوٹ کر آتے ہیں گزرے ہوئے دن کب لیکن
یاد بھی صحبتِ احباب کی اک صورت ہے
خواب بھی خواب ہوئے اب تو یہاں پر یارو
زخم بھی دیدہ ء بے خواب کی اک صورت ہے
چاند بھی گلشنِ افلاک کا اک غنچہ ہے
پھول بھی صورتِ ماہتاب کی اک صورت ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب تک تیرا خیال مرا ہم سفر نہ تھا
میں آشنائے لذتِ دردِ جگر نہ تھا
توڑا گیا ہے کیوں میرے بت کو تراش کر
یہ تو کبھی بھی شیوہ ء اہلِ ہنر نہ تھا
تو باس تھی کسی کی تو سانسوں میں بس گئی
میں پھول تھا مجھے بھی تو آخر بکھر نا تھا
کہنے کو کہہ گیا ہے ہر اک اشک داستاں
لیکن حدیث ِدل کا بیاں مختصر نہ تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پرندے ہجرتیں کرنے لگے ہیں
شجر یوں کٹ کٹا کر گر رہے ہیں
ہرے چولے دعائیں مانگتے ہیں
مزاروں سے کبوتر اڑ چکے ہیں
صدائیں اب فضا میں مر رہی ہیں
ہوا میں دائرے سے پھیلتے ہیں
کبھی دل میں اتر کر دیکھنا تم
تمھارے واسطے جو دکھ سہے ہیں
چراغوں کو ابھی بجھنے نہ دینا
تھکے ہارے مسافر لوٹتے ہیں
کبھی پوچھو تمھیں ہم بھی بتائیں
ہمیں بھی کس قدر تم سے گلے ہیں
تمھیں اتنی خبر بھی تو نہیں ہے
جیے کیسے بھلا کیسے مرے ہیں ؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رنگ اپنے خون سے ان میں دوبارہ بھر دیے
موسموں کے زہر نے جو پھول پیلے کر دیے
رفتہ رفتہ یوں مکمل گھر کا نقشہ ہو گیا
تم نے دیواریں بنائیں ہم نے ان کو در دیے
اشک آنکھوں سے رواں تھے اور انا خاموش تھی
جب ضرورت نے خود اپنے ہاتھ آگے کر دیے
یا الٰہی ! زندگی کے خواب کی ہے کیا تعبیر ؟
حو صلہ پر و ا ز کا اور پھر شکستہ پر دیے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر صف الٹی ، لشکر زخمی ،تیر نشانے دیکھے
جب دشمن کی صف میں سارے یار پرانے دیکھے
اک آجر کا بیٹا ان کی قیمت دینے آیا
اک مزدور کی بیٹی نے جو خواب سہانے دیکھے
اس کی تیری باتوں سے تسکین بھلا کیا ہوتی
جس نے تیری یادوں کے رنگین زمانے دیکھے
ماں نے اپنے بچے کو پردیس کمانے بھیجا
اک دن اپنی تربت پر پھر پھول نہ ماں نے دیکھے
ترکِ الفت مشکل ہو گا کون کرے گا ایسا
جس کی تجھ سے نسبت ہو وہ لاکھ بہانے دیکھے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پتھر مرے وجود پر برسے تمام عمر
اے دوست لطفِ زیست کو ترسے تمام عمر
میرے پروں میں ہمت ِ پرواز ہی نہیں
اڑنے نہ پائے ایک ہی ڈر سے تمام عمر
رستوں کی خاک چھاننا لازم ہے دوستو
منزل کبھی ملی نہیں گھر سے تمام عمر
میرے بدن سے خون کی بوندیں نچوڑ لیں
اترا نہ بوجھ پھولوں کا سر سے تمام عمر
جب بھی جلائی بجھ گئی شمعِ حیات ِ شوق
دیکھا جہاں کو دیدہ ء تر سے تمام عمر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرے لیے صورت ہے یہ خوش کن بھی عجب بھی
اس درجہ عنایات کا کچھ ہو گا سبب بھی

گھر سے کہیں بہتر ہے بیابان کا عالم
گو کم نہیں گھر میرا بیابان سے اب بھی

ہم نے شبِ فرقت کی طرح اس کو گزارا
سب وصل جسے کہتے ہیں آئی تھی وہ شب بھی

اخلاص کے دھاگوں سے جو چند خواب بنے تھے
تو بھول گیا کب کا مجھے یاد ہیں اب بھی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک زور سے پھر درد کا طوفان اٹھا ہے
بھولے ہوئے لمحات کو کیا یاد کیا ہے
لب درد کی ٹیسوں میں ترا نام نہ لے لیں
اب سوچ کے زخموں سے لہو رسنے لگا ہے
جو دورِ محبت میں کبھی اس نے دیا تھا
وہ پھول کتابوں میں کہیں سوکھ چکا ہے
گو وقت کی رفتار میں اب بھول گیا ہوں
وہ چہرہ مجھے دیر تلک یاد رہا ہے
پھر آج کئی شعر ہوئے جاتے ہیں مجھ سے
پھر آج تری یاد کا غم تازہ ہوا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک تعلق کا سرا تھا دوسرا کوئی نہ تھا
اس سے بڑھ کر میرا اس سے واسطہ کوئی نہ تھا

شہر سے نکلا تو میرے ساتھ تھا عالم تمام
دشت میں پہنچا تو واں میرے سوا کوئی نہ تھا

اس طرح جیتا رہا ہوں دوستوں کے شہر میں
لاکھ غم تھے اور غم سے آشنا کوئی نہ تھا

جب ہوئے رخصت ہمیشہ اس طرح رخصت ہوئے
دیکھتے جاتے تھے منہ کو موڑتا کوئی نہ تھا

کیا تماشہ ہے کہ خود اپنی عدالت میں خلش
ہم ہی ٹھہرے بے وفا یا بے وفا کوئی نہ تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صحن گلزار میں یوں پھولوں کے زیور چمکے
شاخیں مدہوش ہوئیں پتوں پہ ساغر چمکے
پھر مری پلکوں پہ موتی سے لرز آئے ہیں
پھر مری آنکھ میں اس روپ کے منظر چمکے
اس سے پہلے کہ میں انصاف طلب کر سکتا
خون کے قطرے سرِ تیغ ستم گر چمکے
اپنا دل چیر کے میں کس کو دکھاؤں یا رب
بند سیپوں میں مری ذات کے جوہر چمکے
پاؤں کی زد میں یہ رہتے تھے زمیں پر اکثر
اوج پر پہنچے تو کم مایہ سے پتھر چمکے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر بات اس کی قول کسی کا کہا ہوا
چھوٹی سی عمر میں ہے وہ کتنا بڑا ہوا
جس نے بھی اپنی ذات کی چوکھٹ پہ سر رکھا
اس کا تو ایک عمر میں سجدہ ادا ہوا
تیرے بغیر جینا پڑا تو بھی جی لیے
اتنا ہی تجھ سے عشق ہوا تھا بھلا ہوا
تم نے نجانے کیسے زمانے کو پا لیا
ہم سے تو اپنی ذات کا عقدہ نہ وا ہوا
بارِ کرم سے اٹھ نہ سکی نگہِ باریاب
سو بار وہ تو بام پر جلوہ نما ہوا
چیں بر جبین ایسی کہ تلوار تیز دھار
باتیں کہ جیسے زہر میں نشتر بجھا ہوا
ہم اس سے مل کے اور بھی شرمندہ ہو گئے
اک میکدے کے در پہ تھا ناصح کھڑا ہوا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانی اتر گیا ہے نجانے وہ کیا ہوئے
ہم نے یہیں کہیں جو گھروندے بنائے تھے
آنچل کسی خیال کا لہرا کے رہ گیا
بچوں نے تیز آندھی میں کاغذ اڑائے تھے
کوشش کے باوجود مجھے بھولتے نہیں
کچھ ایسے زندگی میں مری لوگ آئے تھے
ہنس کر ملا کوئی تو ہمیں یاد آ گئے
ہم نے ترے خلوص سے جو زخم کھائے تھے
ان راستوں کی دیکھئے منزل ملی تو کیا
جن راستوں کی دھوپ پر اپنے بھی سائے تھے
اہلِ ستم کی شوخیاں تو دیکھنا ذرا
دامن میں بھر کے خار وہ اب پھول لائے تھے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس زبانِ نکتہ سنج کو روکنا اچھا لگا
اس قدر اس کم سخن کا بولنا اچھا لگا

اپنی مٹی سے رہا رشتہ مرا مضبوط تر
گو زمین ِ آسماں تک پھیلنا اچھا لگا

یوں سفر کو کچھ نہ کچھ تو طول ملتا جائے گا
تھک کر اس کا راہگزر میں بیٹھنا اچھا لگا

کم نگاہی بھی قیامت تھی مگر اے جانِ من
آج تیرا آنکھ بھر کر دیکھنا اچھا لگا

یوں محبت تھی سرایت بچپنے سے جسم میں
تتلیوں کا شاخِ گل کو چومنا اچھا لگا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عذاب رت میں جو اترے وہ کیا صحیفے تھے
گلاب شہر کے حاکم ببول زادے تھے

جو آج سر سے اٹھا میرے باپ کا سایہ
نظر پڑا ہے کہ کتنے یتیم بچے تھے

وہ جس کی لاش کو کاندھا دیا ہے غیروں نے
پرائے دیس میں اس کے بھی چار بیٹے تھے

اب ایک خوف بسا ہے تمام کمروں میں
وہ دن گئے کہ چھتوں پر بھی لوگ سوتے تھے

تمھارے بعد یہ احساس ہو رہا تھا مجھے
تمھارے ساتھ ہی پھولوں کے شہر ہوتے تھے

ہوا ہوئے ہیں زمانے کی تلخیوں میں مگر
ہمارے ذہن میں کتنے خیال پارے تھے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک دیکھی ہوئی خوشبو مہکے
ترا پیکر مرے ہر سو مہکے
ان کو پہلو میں لیے بیٹھا ہوں
مری دنیا ، مرا پہلو مہکے
رات کی رات مرے شانوں پر
ترے بھیگے ہوئے گیسو مہکے
جب تری یاد کا در باز ہوا
پھو ل چمکے کبھی جگنو مہکے
وہ بدن تختۂ گل کی مانند
وہ مہک ، نافہ ء آہو مہکے

☆☆☆☆☆☆☆

موسم گل حیران کھڑا ہے
گھر کا گھر ویران پڑا ہے
دل کی بات بتائیں کیسے ؟
یارو وہ نادان بڑا ہے
ہم اور اس کو سجدہ کرتے
کافر نے بہتان گھڑا ہے
جیون بھی فٹ پاتھ ہے جیسے
سڑکوں پر سامان پڑا ہے
موتی جیسے لفظ تھے جن کو
شعروں میں آسان جڑا ہے

☆☆☆☆☆☆☆

زمانہ اور زمانے کے بعد کیا ہو گا
یہ نقش اپنا مٹانے کے بعد کیا ہو گا
پھر ایک تلخ حقیقت کا سامنا ہو گا
پھر ایک خواب سہانے کے بعد کیا ہو گا
میں سوچتا ہوں ذرا تو بھی سوچ اے ہمدم
کہ تیرے میرے فسانے کے بعد کیا ہو گا
کبھی یہ سوچا ہے پھر کیسے روشنی ہو گی
ہمارا دل بھی جلانے کے بعد کیا ہو گا
تمھیں بھی حالِ غمِ دل سنائے دیتے ہیں
تمھیں بھی حال سنانے کے بعد کیا ہو گا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غموں کے بوجھ کو اس طرح ہلکا کیا کروں یارب
میں چشمِ یار کے کاجل کو گیلا کیا کروں یارب

مجھے تو سوکھے پتّوں کا بھی دکھ دشوار ہے سہنا
میں اپنے گھر کے جلنے کا تماشا کیا کروں یارب

کوئی عنوان دے داغِ قبا گر اک فسانہ ہے
گناہِ عشق یا قتلِ تمنا کیا کروں یارب

یہ دنیا اک تماشا گاہ ہے رنج و مسرت کی
میں تیرا کیا کروں یارب میں اپنا کیا کروں یارب

سرابوں ہی سرابوں کا تعاقب زندگی نکلی
حقیقت کے فسانوں کا میں پیچھا کیا کروں یارب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھویا کھویا رہتا ہوں
بکھرے لمحے چنتا ہوں

چاروں جانب سائے ہیں
دل ہی دل میں ڈرتا ہوں

تیری باتیں کرنے سے
میں ہلکا ہو جاتا ہوں

اب کے تھوڑی فرصت ہے
اب کے کچھ دن ٹھہرا ہوں

اشکوں کا اک دریا تھا
قطرہ قطرہ بہتا ہوں

جب بھی تنہا ہوتا ہوں
کتنا تنہا ہوتا ہوں

☆☆☆☆☆☆

دوست بھی یاں رقیب ہوتے ہیں
اپنے اپنے نصیب ہوتے ہیں
جان من ٹوٹتے ہوئے تارے
زندگی کے نقیب ہوتے ہیں
اس میں کیا اختیار اپنا ہے
دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں
وہ بھی دیکھو بدلتے رہتے ہیں
سائے کتنے قریب ہوتے ہیں
اس خلش کو دوام رہنا ہے
آپ مانا طبیب ہوتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

کبھی ہنستا کبھی روتا رہا ہوں
تماشا رات بھر کرتا رہا ہوں
مرے چاروں طرف اک روشنی تھی
تمھاری یاد میں جلتا رہا ہوں
پرانی یا د کے ملبے پہ بیٹھا
بڑی ہی دیر تک روتا رہا ہوں
مسافر جان کر سب پوچھتے تھے
گلی میں دیر تک ٹھہرا رہا ہوں
کسی کے درد کا قصہ سنا تھا
میں اپنے آپ کو سلگا رہا ہوں

☆☆☆☆☆☆☆☆

کس نے کس کا سمجھا دکھ
سب کا اپنا اپنا دکھ
دیپک سنتا رہتا ہے وہ
جس کے من میں سلگا دکھ
روتے روتے پوچھ لیا تھا
ہنستے ہنستے بولا دکھ
مشکل یوں بھی سہنا ہو گا
لیکن تنہا سہنا دکھ
تیرے غم کو پالا ہم نے
ہم نے اپنا ٹالا دکھ
یاد سنہرا سپنا کوئی
کالی خوشیاں اجلا دکھ

☆☆☆☆☆☆☆

لمحہ لمحہ حادثہ در حادثہ پھیلا ہوا
دور تک ہے آرزو کا سلسلہ پھیلا ہوا
میں تمھاری چاہ میں گھر تک تمھارے آ گیا
کچھ تو تم بھی اب سمیٹو فاصلہ پھیلا ہوا
گردشِ حالات تو مجھ کو رلا سکتی نہیں
آنکھ تک کیا آ گیا ہے آبلہ پھیلا ہوا
منزلوں کی دور تک ہم نے جھلک دیکھی نہیں
دور تک ہے راستہ ہی راستہ پھیلا ہوا
اپنا منظر اپنی آنکھوں سے کبھی دیکھو خلش
ہر طرف ہے انجمن میں آئینہ پھیلا ہوا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حرف کو معتبر ہی رہنے دو
بات کو مختصر ہی رہنے دو
کبھی ملنا پڑے تو مل بھی لیں
فاصلے اس قدر ہی رہنے دو
مری آنکھوں کو بھیگتا رکھو
مرے دامن کو تر ہی رہنے دو
میں اسی کو ہنر سمجھتا ہوں
تم مجھے بے ہنر ہی رہنے دو
مری تعریف اس قدر نہ کرو
مجھے بندہ بشر ہی رہنے دو
بات کرنا بہت ضروری ہے
ہاں مجھے چپ مگر ہی رہنے دو
منزلیں اس طرح نہیں ملتیں
دھوپ دیکھو سفر ہی رہنے دو

☆☆☆☆☆☆☆☆

حسرتِ یک نظر میں بیٹھے ہیں
ہم تری راہگزر میں بیٹھے ہیں
ایک بستی بسانے آئے تھے
ایک اجڑے نگر میں بیٹھے ہیں
آپ کے ہاتھ میں بھی پتھر ہیں
آپ شیشے کے گھر میں بیٹھے ہیں
دھوپ کا سائبان اوڑھے ہوئے
سایہ ء بے شجر میں بیٹھے ہیں
لوگ منزل تلاش کر لائے
ہم ابھی گر مگر میں بیٹھے ہیں
اپنے ہی بازوؤں سے اڑنا ہے
اپنے ہی بال و پر میں بیٹھے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

جبر یا اختیار میں رہنا
اپنے اپنے غبار میں رہنا
تری ہستی فریب ہستی ہے
مت کسی اعتبار میں رہنا
مری آنکھوں کو ایک عادت ہے
بس ترے انتظار میں رہنا
ایک عمرِ خزاں کا حاصل ہے
چار دن کی بہار میں رہنا
مرے دشمن کو زیب کیا دیتا
صورت غمگسار میں رہنا
کتنے پتھر نصیب کرتا ہے
دامنِ تار تار میں رہنا

☆☆☆☆☆☆

اشکوں سے بھر گیا ہے جو دامن بہار میں
برسا ہے آج خوب ہی ساون بہار میں

قسمت پہ اس غریب کی کیسے نہ رو یئے
وہ پیڑ بن گیا ہے جو ایندھن بہار میں

پھولوں کے ہیں نصیب میں یہ خوشبوئیں کہاں
مہکا خیالِ یار سے آنگن بہار میں

پوچھو تو ہم سے کیسے کٹا موسمِ خزاں
ٹھہرو ہمارے پاس بھی کچھ دن بہار میں

میں ہوں خزاں نصیب مری خواہشیں نہ پوچھ
میں شاخِ گل بناؤں گا مسکن بہار میں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب نصیبوں میں فقط اک روسیاہی رہ گئی
باپ کے مرنے سے بیٹی بن بیاہی رہ گئی

دل ربائی ، جاں ستائی ، خوش نگاہی اٹھ گئی
کج ادائی ، بے نیازی ، کم نگاہی رہ گئی

اور تو سب کچھ گیا ہے شہر پر افتاد میں
بس امیرِ شہر کی اک کج کلاہی رہ گئی

مل ہی جاتی ہے کسی صورت تو قاتل کو پناہ
کوئی منصف بک گیا یا پھر گواہی رہ گئی

اک محبت درمیاں تھی دوستوں کے ، نہ رہی
سو عدو میدان میں اور بے پناہی رہ گئی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زمیں کو گھومتا رکھا گیا ہے
یہیں اک سلسلہ رکھا گیا ہے
مقدر سے مفر ممکن نہیں ہے
جو دکھ جس نام کا رکھا گیا ہے
تری آنکھیں ہی تکتا جا رہا ہوں
مری آنکھوں میں کیا رکھا گیا ہے
مرے اندر صدائیں مر رہی ہیں
یہ گنبد بے صدا رکھا گیا ہے
انہیں ہی مبتلا ہونا تھا آخر
دلوں میں حوصلہ رکھا گیا ہے
مرے مسلک کی یہ صورت گری ہے
خدا بھی خود نما رکھا گیا ہے
وہیں پر ہوائیں تیز تر تھیں
جہاں جلتا دیا رکھا گیا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

آئے ہمارے ذہن میں آ کر بکھر گئے
مصروفیت میں کتنے خیالات مر گئے

یارو اندھیری رات کے عادی تھے اس لیے
ہم روشنی میں اپنے ہی سائے سے ڈر گئے

تیری طرح کی کوئی بھی صورت نہ مل سکی
لے کر ترے خیال کو ہم در بدر گئے

عرصہ سمٹ کر ایک ہی قطرے میں آ گیا
لمحے تمھاری یاد کے کیا کام کر گئے

رکھ کر مرے وجود کو نشتر کی نوک پر
چارہ نہ ہو سکا تو مرے چارہ گر گئے

گردِ سفر نے چہرے کو اوڑھا ہوا تھا یوں
ہم اجنبیوں کے سمندر اتر گئے

ماں بھی نہ سو سکی تھی خلش انتظار میں
ہم ساری رات بعد بھی گر اپنے گھر گئے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب شکستہ مرے دل سے بھی گریباں نکلا
میں غمِ عشق تھا سمجھا غم دوراں نکلا

لوگ تو لوگ تھے توقیر مری کیا کرتے
میرا سایہ بھی یہاں مجھ سے گریزاں نکلا

میں نے جس شخص کو ہر حال میں خوش دیکھا تھا
وہ تمنا کے سرابوں کا بیاباں نکلا

پھر ترے سچ میں بھی اخلاص بھلا کیا ہو گا
تری ہر بات میں جب جھوٹ مری جاں نکلا

آپ اپنی حقیقت پہ ندامت ہے مجھے
خود غرض اتنا مرے دور کا انساں نکلا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ مہرباں بھی ہوا تھا نہ مہرباں ایسا
خیالِ یار ہوا ہے عذابِ جاں ایسا
اسے مٹاؤں تو اپنی ہی ذات مٹ جائے
جو فاصلہ بھی رہا ہے تو درمیاں ایسا
کبھی جو یاد بھی آیا تو رو دیے ہنس کر
قفس میں چھوڑ کے آئے ہیں آشیاں ایسا
جنوں میں دو ہی قدم چل کے میں تو لوٹ آیا
سوادِ شہر میں دیکھا ہے کچھ سماں ایسا
ہجومِ شہر میں ملتی ہے ایک تنہائی
میں اپنی ذات میں تنہا ہوں دوستاں ایسا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب کیسے کریں شکوے گلے چھوڑ دیا ہے
اس نے بھی مصیبت کے سمے چھوڑ دیا ہے
دن بھر تو کڑی دھوپ میں وہ ساتھ رہا تھا
کیوں سائے نے اب شام ڈھلے چھوڑ دیا ہے
خود اپنی محبت میں گرفتار رہا ہوں
ہر چاہنے والے نے مجھے چھوڑ دیا ہے
خود مجھ کو بھی اس بات کا شاید نہ یقیں ہو
کہنے کو تو کہہ لوں گا اسے چھوڑ دیا ہے
مانا کہ چلا جائے گا وہ چھوڑ کے لیکن
سوچے گا کسی وقت کسے چھوڑ دیا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یوں تو پاگل بنتا ہو گا
تیرا نام نہ لیتا ہو گا
سارے رستے منزل ہوں گے
ہر منزل کا رستہ ہو گا
بچھڑا تھا تو میرا تھا
اب وہ جانے کس کا ہو گا
چاہے نہ چاہے اس کی مرضی
اس نے مجھ کو سوچا ہو گا
کون تھا میرا جانِ محفل
کس نے مجھ کو پوچھا ہو گا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک بت کو محبت میں خدا کرتا رہا ہوں
مجرم ہوں بہر حال وفا کرتا رہا ہوں

ہر گام پہ تیرے ہی مجھے دھوکے ہوئے ہیں
ہر در پہ میں رک رک کے صدا کرتا رہا ہوں

فنکار ہوں توہینِ انا سہہ نہیں سکتا
مجبور تھا توہینِ انا کرتا رہا ہوں

جو لطف تری یاد میں ہے تجھ میں نہیں ہے
میں تجھ سے بچھڑنے کی دعا کرتا رہا ہوں

میں وقت کے بدلے ہوئے تیور نہیں سمجھا
میں سوچ کے زخموں کو ہرا کرتا رہا ہوں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یار جانے گمان کیا کرتا
درد دل کا بیان کیا کرتا
بعد مدت کے گر گیا آخر
اور اجڑا مکان کیا کرتا
آج محفل میں آنکھ برسی ہے
اب بھلا راز دان کیا کرتا
جانتا تھا تری وفاؤں کو
میں ترا امتحان کیا کرتا
آج عزت کو بیچ آیا ہے
اور بھوکا کسان کیا کرتا

☆☆☆☆☆☆

جسے حرفِ غم نہ سنا سکا ترا غم گسار ہے بھول جا
کوئی منتظر ترے واسطے سرِ راہ گزار ہے بھول جا

مرا نامہ بر بھی عجیب ہے وہ جو کہہ گیا ہے سنو ذرا
جو گزر گیا ہے وہ سانحہ بڑا دل فگار ہے بھول جا

وہی اضطراب دوام ہے وہی روز وعدۂ شام ہے
یہ نیا نہیں کوئی سلسلہ ہمیں اعتبار ہے بھول جا

وہی آسماں وہی لوگ ہیں وہیں نشتریں وہی روگ ہیں
وہی دکھ نصیب کے یاد رکھ کوئی راز دار ہے بھول جا

کوئی برگِ سازِ خیال ہے نہ ہوائیں نغمہ سرا ہیں اب
کوئی آشیاں جو بکھر گیا سرِ شاخسار ہے بھول جا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حسرت تو دیکھئے کہ ہمیں غم بھی کیا ملے
نا لے ملے نصیب میں تو نا رسا ملے

کچھ ہم حصارِ ذات سے نکلے نہ عمر بھر
کچھ دوست زندگی میں ہمیں بے وفا ملے

آنکھوں کو کرگیا ہے کوئی جلتے ہوئے چراغ
کب تک انہیں بھی دیکھئے لیکن ہوا ملے

گہری مسافتوں کے شریکِ سفر کہاں
ساحل کے ساتھ ساتھ بڑے ناخدا ملے

میں دوستوں سے بات چھپاؤں تو کس لیے
لیکن بتاؤں بات بھی گر دل ربا ملے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تری گلیوں کا تھا گدا میں بھی
یونہی دیتا رہا صدا میں بھی
خود پہ ڈھاتا رہا ستم برسوں
اپنا ہمدرد ہو چلا میں بھی
اتنے آلام مجھ پہ آئے ہیں
اب تو پتھر سا ہو گیا میں بھی
تیری گلیوں میں آن نکلا ہوں
خود کو اب ڈھونڈتا ہوا میں بھی
تو مجھے بھول کے ملول نہ ہو
خوش تجھے بھول کر رہا میں بھی
دن تو ہنستے ہنساتے بیت گیا
رات تنہا تھا رو پڑا میں بھی
تو نے کیسی نظر سے دیکھا ہے
اب تو شاعر سا ہو گیا میں بھی

☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ دعا ہے کہ مرا حرفِ دعا راز رہے
تیری الفت میرے سینے میں صدا راز رہے
ایک مدت سے ملاقات نہیں ہے کوئی
اب مرا حالِ زبوں نامہ برا راز رہے
میں نے گبھرا کے غمِ دل تو کہا ہے لیکن
اب یہ ڈر ڈر کے میں کہتا ہوں ذرا راز رہے
میں سمجھتا ہوں اندھیروں سے الجھنا ہے حیات
تم یہ کہتے ہو کہ سورج کی ضیا راز رہے
واشدِ گل نے کہی شب کی کہانی ساری
ورنہ ممکن تھا کہ گلشن میں صبا راز رہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیری آنکھوں سے اب غمزے اشارے کیوں نہیں ملتے
بتا کچھ تو ہمیں اب حق ہمارے کیوں نہیں ملتے
زمانے کی بہاریں جا کے پھر بھی لوٹ آتی ہیں
ہمیں بیتے ہوئے اب دن ہمارے کیوں نہیں ملتے
طلب کرتی ہے ہر خواہش مشقت دو ستو دیکھو
اگر کوشش کریں تو چاند تارے کیو ں نہیں ملتے
سجا کے رنگ آنکھوں میں کسی کے پیار کا دیکھو
یہ دنیا خوب صورت ہے نظارے کیوں نہیں ملتے
زمیں برگد کی شاخوں کو سدا مضبوط کرتی ہے
جہاں میں بے سہاروں کو سہارے کیوں نہیں ملتے
مجھے ٹکرا کے ان سے پھر مگر واپس ہی آنا ہے
مری بے تاب موجوں کو کنارے کیوں نہیں ملتے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قتل بھی کرتا نہیں جانے وہ قاتل کیا تھا
جز ندامت کے مرے عشق کا حاصل کیا تھا

دور منزل سے رکھا ذوقِ مسافت نے مجھے
بر سرِ راہ تو میں تھا سرِ منزل کیا تھا

مجھ سے ملنے میں تمھیں لاکھ سہی دشواری
خلقتِ شہر میں کھو جانا بھی مشکل کیا تھا

مجھ جواں مرگ پہ رونے کو تو عالم رویا
رونے والوں میں مرا شوخ بھی شامل کیا تھا

چھوڑ ہنگامہء محشر تو مجھے سونے دے
مت دلا یاد مجھے گرمیء دل ، دل کیا تھا

دیکھ کر مجھ کو ہوئے دوست خلش چپ کیونکر
ذکر تو میرا تھا لیکن سرِ محفل کیا تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضد سے کہتا ہے ہاں نہیں ہوتا
ہم پہ کیوں مہرباں نہیں ہوتا
غیر سے بھی ہے بد گماں لیکن
اس قدر بد گماں نہیں ہوتا
داستاں میرے غم کی ہے یارو
غم مگر داستاں نہیں ہوتا
تم نے پوچھا ہے عشق کا حاصل
اس میں سود و زیاں نہیں ہوتا
اس سے ملنے تو روز جاتے ہیں
دل کا عالم بیاں نہیں ہوتا
کسی پتھر سے پوچھ کر دیکھو
دل سے بہتر مکاں نہیں ہوتا
وہ گھڑی بھی ہے امتحاں شاید
جس گھڑی امتحاں نہیں ہوتا
اپنے ہی دل سے پوچھ لو یارو
کوئی بھی راز داں نہیں ہوتا

لے اب ترکِ محبت کر رہا ہوں
تری دنیا سے ہجرت کر رہا ہوں
جبیں سجدوں سے عاجز آ چکی ہے
خداؤں سے بغاوت کر رہا ہوں
مرے آنگن میں بہنیں کھیلتی ہیں
میں عزت کی حفاظت کر رہا ہوں
کبھی تفصیل سے ملنا بھی ہو گا
ابھی صاحب سلامت کر رہا ہوں
برائی روز سر زد ہو رہی ہے
مگر نیکی کی نیت کر رہا ہوں

☆☆☆☆☆☆☆

سبھی اصول سبھی تجزیے بدل جائیں
تمھارے واسطے سب ضابطے بدل جائیں

جو لوگ آج مرے ہم سفر ہیں ہمدم ہیں
کسے خبر کہ کہاں راستے بدل جائیں

کسی کے نام سے نسبت بڑا رلاتی ہے
کتابِ زیست کے جب حاشیے بدل جائیں

ترے سلوک سے گھبرا کے بارہا سوچا
ہمارا دل پہ اگر بس چلے بدل جائیں

عدو کے سامنے جب تذکرہ ہے یاروں کا
صداقتیں نہ رکھیں ، واقعے بدل جائیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بے حقیت اپنا ہونا یا نہ ہونا رہ گیا
زندگی کے ہاتھ میں بن کر کھلونا رہ گیا

ہم نے اپنے آپ کو انمول سمجھا تھا مگر
دام جب گرنے لگا تو اونا پونا رہ گیا

کل تلک تو اس کے قد میں دیو کے آثار تھے
آج دیکھا تو مری نظروں میں بونا رہ گیا

سوچتا ہے اب امیرِ شہر ، لوٹوں کس طرح
شہر میں بکھرا ہوا سورج کا سونا رہ گیا

ہم جہاں سوئے وہاں ہاتھوں کو تکیہ کر لیا
کیا خبر کس گام پر اپنا بچھونا رہ گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبھی کٹتے ہوئے سر بولتے ہیں
کبھی ٹوٹے ہوئے پر بولتے ہیں
مرے باہر خموشی چھا گئی ہے
مرے اندر کبوتر بولتے ہیں
شجر کوئی ثمر ور تھا یہاں پر
ترے آنگن کے پتھر بولتے ہیں
یہ لب خاموش بھی جادو اثر ہیں
یہ جب بولیں تو منتر بولتے ہیں
ابھی ہم کو ذرا زنجیر رکھو
ابھی ہم بندہ پرور بولتے ہیں
ہم ایسے سادہ دل لوگوں سے اکثر
نجانے کیوں بگڑ کر بولتے ہیں
مسافت کاٹنا آساں نہیں تھا
یہ دنیا بھر کے چکر بولتے ہیں
ہمارے حال پر ہے مہرباں کیوں
جسے سارے ستم گر بولتے ہیں

سوچوں کے سنسان سفر پر
ہے کیسے انسان سفر پر
راہ میں ناصر پڑھتے جانا
لے جانا دیوان سفر پر
ہر رستے پر پہرے دکھ کے
مت نکلو نادان سفر پر
ایک ملن کی آس سنہری
کافی ہے سامان سفر پر
منزل بھی مل ہی جاتی ہے
لیکن میری جان سفر پر

☆☆☆☆☆☆☆

اچھے لوگوں سے گفتگو رکھنا
اپنے لفظوں کی آبرو رکھنا

شرط دیدار کی کڑی تو نہیں
صرف آنکھوں کو با وضو رکھنا

مجھ کو جو چاہے تم سزا دے دو
مرا محضر نہ رو برو رکھنا

خاک تو کر دیا زمانے نے
اب مری خاک میں نمو رکھنا

اور تو تجھ سے کچھ نہیں کہنا
مرے دل کا خیال تو رکھنا

☆☆☆☆☆☆☆

آدھا دھڑ انسانوں جیسا آدھا دھڑ تھا پتھر کا
کانے دیو نے نگری نگری منتر پھونکا پتھر کا

پتھر کے پانی سے سارے پتھر کے تالاب بھرے
پہلے پتھر آندھی آئی مینہ پھر برسا پتھر کا

میں نے جس کے دامن کو خوشبو خوشبو رکھا تھا
اس نے میرے صحن کے اندر پھول اگایا پتھر کا

پتھر کے پھل پھول تھے سارے پتھر جیسے موسم تھے
پتھر کے اس جنگل میں تھا پتا پتا پتھر کا

اس بت سے ملنے کی خاطر پتھر کا دل کر ڈالو
دیکھو آگ لگاتا ہے پتھر سے ملنا پتھر کا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک خون کا دریا ہے کہ تا حد نظر ہے
اور کوئے ستم گر بھی نہیں اپنا ہی گھر ہے

مانا کہ مرے واسطے تدبیر کرو گے
تقدیر کے زخموں سے مگر کس کو مفر ہے

یوں چھینی ہے حاکم نے زباں اہلِ ہنر سے
لگتا ہے مرا شہر کوئی چپ کا نگر ہے

اک شکوہ ء بے جا ہے کہ منزل نہیں ملتی
بے نام مسافت ہے تو بے سمت سفر ہے

اس شخص سے اس شہر کے حالات نہ پوچھو
جو چاک قبا ، خار بپا ، خاک بسر ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہر آن کوئی مرتا ہے
ہم نے یوں زندگی کو برتا ہے

ہم سے سادہ مزاج لوگوں سے
خمِ کاکل بھی کب سنورتا ہے

اب بھی تیرے حسین چہرے کا
نقش کچھ دیر کو ا بھر تا ہے

رات گلشن میں کوئی روتا ہے
رنگ پھولوں کا تب نکھرتا ہے

آدمی آدمی کا دشمن ہے
آدمی آدمی سے ڈرتا ہے

کوئی تازہ غزل نہیں ہوتی
زخم اک روح میں اترتا ہے

دل کی باتیں نہ مانیے زاہد
دل مگر آرزو تو کرتا ہے

☆☆☆☆☆☆

دلوں میں سیلِ تمنا کی شورشیں لے کر
چمن میں آئے ہیں کچھ پھول رونقیں لے کر
یہ دیکھنا ہے کہ اب ریت کتنی پیاسی ہے
دعائیں آئی ہیں صحرا میں بارشیں لے کر
کسی کے نام سے نسبت تلاش کیا کرنا
چلیں گے کاندھوں پہ اپنی ہی گردنیں لے کر
مجھے یقین ہے روشن جہان کر دیں گی
ہوا کی زد میں جو نکلا ہوں مشعلیں لے کر
وہ برف ہوں کہ مرے پاس دھوپ جم جائے
اتر پڑا ہوں جو دریا میں گرمیاں لے کر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بساطِ تارِ نظر میں جو شکلِ یار نہ تھی
ہزار پھول کھلے تھے مگر بہار نہ تھی
یہ اور بات کہ ایسا غبار نہ تھا کبھی
فضائے شہر تو پہلے بھی سازگار نہ تھی
جنوں میں اب کے کوئی اور غم بھی شامل ہے
قبا دریدہ سہی یوں بھی تار تار نہ تھی
وہ عمر بھر کی تھکن ساتھ لے کے سو ہی گیا
وہ ایک پل بھی جسے تابِ انتظار نہ تھی
کہاں سے آئے گی سوچو تو موسموں میں نمی
کسی کی آنکھ بھی ساون میں اشکبار نہ تھی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیرے دروازے پہ آیا تھا صدا کی میں نے
توڑا پندار کو توہینِ انا کی میں نے
میرے دامن میں ترے غم کے سوا کچھ بھی نہیں
اس پہ دعویٰ ہے تمھیں یہ کہ وفا کی میں نے
تم ہی منصف ہو سزا وارِ سزا تو رکھو
میں ہی مجرم ہوں چلو مانا خطا کی میں نے
دل میں خنجر کی طرح نوکِ زباں اتری ہے
کس سے یہ ترکِ تعلق کی دعا کی میں نے
ساتھ ہر بار گیا پارہ ء دل بھی ہائے
دل سے سو بار تری یاد جدا کی میں نے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دلیل دیتا ہے نہ خود قبول کرتا ہے
وہ بات بات پہ بحثیں فضول کرتا ہے
وہ اشک بن کے مری آنکھ سے برستا ہے
جو خون دل سے ترا غم وصول کرتا ہے
تمھارے شہر میں آ کر ہی ہم نے دیکھا ہے
کہ خوشبوؤں کی تجارت بھی پھول کرتا ہے
اسے خبر ہی نہیں ہم اداس لوگوں کی
وہ عادتاً ہی جو دنیا ملول کرتا ہے
مرے گناہوں کو بھی وہ معاف کر دے گا
سنا ہے میں نے وہ توبہ قبول کرتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آتا ہے دعاؤں سے ، دعاؤں کو بھلا کے
اک آن میں جاتا ہے وہ سو درد جگا کے
حیرت ہے کہ ہم دونوں میں اخلاص نہیں ہے
گو دونوں طلب گار ہیں دنیا میں وفا کے
پتھر کو بھی انمول بنا لیتے ہیں زر گر
لہجوں سے بدل جاتے ہیں مفہوم نوا کے
تم اہلِ سخا اپنی عنایات کو گن لو
اک حرفِ دعا باقی ہے کاسے میں گدا کے
دیکھا ہے کبھی تو نے اسیرانِ چمن کو
کیا ان پہ گزرتی ہے پر و بال گنوا کے
سجدہ جسے کرتے ہیں ازل ہی سے فرشتے
انسان بھی ڈھل جاتا ہے سانچے میں خدا کے
ہر بات ہے بہنوں کی ، حفاظت کا وظیفہ
اور بول ہیں ماؤں کے سبھی ردِ بلا کے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ورق پہ نام جو ، پڑھتا تھا خواب چہرے سے
وہ سو چکا تھا جو سر کی کتاب چہرے سے

ابھی تو اس نے فقط ایک روپ بدلا ہے
ابھی تو کتنے اٹھیں گے نقاب چہرے سے

ہمارا ہنسنا ہنسانا تو ٹھیک ہے لیکن
کسی کے دل کا نہ کرنا حساب چہرے سے

میں لے کے جاتا ہوں کتنے سوال آنکھوں میں
وہ دے کے جاتا ہے سارے جواب چہرے سے

ہر ایک پھول ہے جیسے خلش کوئی مصحف
جو بانٹتا ہے چمن میں ثواب چہرے سے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حق نے کبھی بھی اس کو مجدد نہیں کیا
جس نے سخن میں میر کو مرشد نہیں کیا

اشکوں کے آبشار کا تم تو سبب نہیں
ہم نے تمھیں تو یاد بھی شاید نہیں کیا

آنکھوں میں بس رہے ہیں وہی خواب اب تلک
دل نے کسی لکیر کو سرحد نہیں کیا

پگڑی اچھالنا تو رذیلوں کا کام ہے
پھر کیا جو ہم کو صاحبِ مسند نہیں کیا

اک نیم خامشی جو صدا زیرِ لب رہی
اک حرفِ بے صدا جسے گنبد نہیں کیا

کل بھی تھے بے چراغ گھروں کے مکین ہم
روشن کسی نے آج بھی مرقد نہیں کیا

دربار میں وہ محترم ہو بھی تو کیوں بھلا
لفظوں کو جس نے صرفِ خوشامد نہیں کیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رقص کا روپ دھار کر دیکھو
سر پہ مستی سوار کر دیکھو
ہجر کیسا عذاب ہوتا ہے
چند لمحے گزار کر دیکھو
آرزوئے بہار کا کیا ہے
آرزوئے بہار کر دیکھو
ایک لمحہ ہے اور کچھ بھی نہیں
گزرے لمحے شمار کر دیکھو
سبز خاموشیوں کے جنگل میں
حرفِ روشن شکار کر دیکھو
ہجر بھی تو وصال ہوتا ہے
اسے دل سے پکار کر دیکھو
اپنے چاروں طرف اجالا ہے
خوف کا سانپ مار کر دیکھو

☆☆☆☆☆☆☆☆

آرام سے اک بات بھی سنتا ہی نہیں ہے
کڑوا بھی ہے وہ پھل ابھی کچا ہی نہیں ہے

خود اس کا بدلتا ہوا ہر روپ بتائے
وہ ویسا بھی ہو سکتا ہے ایسا ہی نہیں ہے

وہ شخص مرے ساتھ کئی سال رہا ہے
اب پاس سے گزرا ہے تو پوچھا ہی نہیں ہے

دریا ہے جو آنکھوں سے گزر کر نہیں آتا
آنسو تو کبھی آنکھ میں ٹھہرا ہی نہیں ہے

جو گاؤں میں پھیلے ہوئے جھگڑوں کو مٹا دے
اب گاؤں میں ایسا کوئی دانا ہی نہیں ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک کے بعد دوسرا دے گی
زندگی روز غم نیا دے گی
ہم تو شبنم نصیب لوگ ہیں دوست
ہم کو بادِ سحر رلا دے گی
زندگی بھر کی ظلمتوں کا صلہ
چاندنی رات بھر میں کیا دے گی
وہ بڑی خوش نصیب عورت ہے
وہ مجھے بادشاہ بنا دے گی
سوچتا ہوں ہوا چراغوں کو
چل پڑی جو ذرا ، بجھا دے گی
کیا خبر تھی کہ ڈوب جانے پر
ریت بھی لاش کو دبا دے گی
یوں لپٹتا ہوں ماں کی چھاتی سے
جیسے وہ بچپنا دلا دے گی
پچھلی برسات میں بھی خطرہ تھا
اب کے برسات چھت گرا دے گی

یاد اک بے چراغ سی دیوار
شام کو صحن میں بچھا دے گی

☆☆☆☆☆☆☆☆

کبھی ایسا بھی آسماں دیکھیں
سب ستاروں کو مہرباں دیکھیں
حبس ماحول میں اتر آئی
بند ہیں ساری کھڑکیاں دیکھیں
تیری آنکھوں کو دیکھنے والے
اپنی حیرانیاں کہاں دیکھیں
گیلی شاخیں جلا کے چھوڑ گیا
سارا گلشن دھواں دھواں دیکھیں
زندگی سو گئی ہے جانے کہاں
آؤ کچھ دیر لڑکیاں دیکھیں
آج مجھ کو ذرا سی جلدی ہے
پھر کبھی باقی داستاں دیکھیں
برگِ گل کو بھی کاٹ کھاتا ہے
اس کے لہجے کی تلخیاں دیکھیں
وہ چلیں سرخ آندھیاں سر پر
وہ گئے سارے بادباں دیکھیں

یہی رسمِ کلیم ہے تو ضرور
رکھ کے انگار بر زباں دیکھیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم سخن فہم کہاں اس سے بھی کچھ کم تر تھے
وہ سخن ور تھا اسے سارے سخن از بر تھے
میں تو جھکتا ہی رہا شاخِ ثمر ور ہو کر
تم سے بے برگ ہی اے نازِ بتاں خود سر تھے
تیرے ملنے سے سوا ہاں تھا مزا فرقت میں
تیری صورت سے مرے خواب بہت سندر تھے
اب کہاں اہلِ مروت کی وہ اجلی سنگت
اب کہاں لوگ جو اخلاص کا اک پیکر تھے
اس کی بس اتنی فضیلت تھی کہ بس اپنا تھا
ورنہ اس گھر میں تو اس جیسے کئی نوکر تھے
اب مری قوتِ پرواز سے جل جاتے ہیں
یہ مرے دوست کہ کل تک جو مرے شہپر تھے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے ہے عادتِ تعجیل ہو نہیں سکتا
سنے وہ درد کی تفصیل ہو نہیں سکتا
وہ لاکھ اپنے زمانے کا صادقین سہی
یہ حسن وہ ہے جو تمثیل ہو نہیں سکتا
وہ جس نے دن کو جلائے ہیں سورجوں کے چراغ
بجھائے چاند کی قندیل ہو نہیں سکتا
مرے ہی نام سے اس کا وقار باقی ہے
وہ میرے نام کی تذلیل ہو نہیں سکتا
ہمارا خون تو تبدیل ہو بھی جاتا ہے
ہمارا باپ تو تبدیل ہو نہیں سکتا
امیرِ شہر سے کہہ دو کہ یہ فقیر کبھی
کرے یوں حکم کی تعمیل ہو نہیں سکتا
مجھے عزیز ہے بھائی کسی بھی صورت میں
کسی بھی طور میں قابیل ہو نہیں سکتا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کسے کہیں کہ ہمیں دردِ دل ستاتا ہے
ہمارے حال پہ جب تو بھی مسکراتا ہے
وہ جس کی یاد مری زندگی کا حاصل تھی
اب اس کا نام بھی بھولے سے یاد آتا ہے
وہ شہر بھر میں مجھے اب کہیں نہیں ملتا
وہ جس کے نام سے مہتاب شرم کھاتا ہے
برا نہیں ہے مگر اس کی ایک عادت ہے
وہ جو بھی وعدہ کرے جلد بھول جاتا ہے
وہ جس نے میرے مقدر میں شاعری لکھ دی
سنا ہی میری غزل اب وہ گنگناتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانی پر بنیاد رکھی ہے
دیواروں میں ریت بھری ہے
سیدھی ٹیڑھی آڑھی ترچھی
ہاتھوں پر تقدیر لکھی ہے
ایک مصیبت آج ٹلی تھی
ایک مصیبت آن کھڑی ہے
سر سے گم ہیں سائے سارے
دیواروں پہ دھوپ تنی ہے
میں حیرت سے دیکھ رہا ہوں
اک تصویر پہ آنکھ پڑی ہے
غیر کے پکوانوں سے ہم کو
اپنے گھر کی دال بھلی ہے
جس کو یاد کیا کرتا ہوں
وہ تو کب کی بھول چکی ہے

☆☆☆☆☆☆☆

دو شعر

غم سے ہوئے نڈھال تو برسات چھڑ گئی
آیا ترا خیال تو برسات چھڑ گئی
کب سے تھے اس امید پر آنسو رکے ہوئے
پوچھا جو تم نے حال تو برسات چھڑ گئی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دل جو ٹوٹا تو دیر تک روئے
اس کو سوچا تو دیر تک روئے
تیری یادوں کا بند دروازہ
ہم نے کھولا تو دیر تک روئے
اس نے چاہا تو ہنس دیے ہم بھی
اس نے چاہا تو دیر تک روئے
ایسے کاٹا تھا انتظار کہ وہ
مل کے بچھڑا تو دیر تک روئے
حالِ دل اور کس طرح کہتے
تم نے پوچھا تو دیر تک روئے

☆☆☆☆☆☆☆

ہم نے کن مشکلوں سے ٹالا ہے
وقت جو چال چلنے والا ہے
سارے خوابوں کو کھا گئی دیمک
نیند الماریوں پہ تالا ہے
مائیں بیٹے نہ پالتی ہوں گی
ہم نے جیسے غموں کو پالا ہے
جس کو ہاتھوں سے دودھ دیتا تھا
آج وہ سانپ مار ڈالا ہے
اس کی دہشت ہے دیکھنے والی
اس کا کچھ بے بسوں سے پالا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہاں حرفِ تمنا لکھ رکھا تھا
وہ کاغذ خون میں بھیگا ہوا تھا
وہ بالکل برف جیسا آدمی ہے
تمھیں پہلے بھی میں نے تو کہا تھا
سناتے ہیں وفائیں آپ جس کی
ہمارے ساتھ بھی کچھ دن رہا تھا
بڑی مشکل سے فرصت مل سکی ہے
تمھارا خط تو کب کا مل چکا تھا
شہر بھر میں کوئی کھڑکی نہیں تھی
تبھی تو سانس مشکل ہو رہا تھا
اندھیرے میں اک ایسی روشنی تھی
کہ سورج چھت سے جیسے آ لگا تھا
اسے میں خط مسلسل لکھ رہا ہوں
وہ جس سے فون تک نہ ہو سکا تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بچپن کا ساتھی تھا
اس کا غصہ وقتی تھا
اس کے بال ملائم تھے
اس کا چہرہ چاندی تھا
ایسا پت جھڑ موسم تھا
پتا پتا ہلدی تھا
اس گھر میں اک چڑیا تھی
جس کا رستہ کھڑکی تھا
اس کے ہاتھ میں گرمی تھی
اس کا ملنا اصلی تھا
گھر میں سب کچھ اس کا تھا
میں بس گھر کی تختی تھا
جس میں یادیں بستی تھیں
اب وہ کمرہ خالی تھا

☆☆☆☆☆☆

اپنے ہاتھوں میں کدالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا
دستِ محنت میں کمالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

مجھ کو دیمک کے سوا اور کسی سے کیا ڈر
مرے کمرے میں رسالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

تم نے تقسیم کیا اس کو مہ و سال میں یوں
وقت تو خواب خیالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

لوگ کہتے ہیں کہ وہ آج سند رکھتا ہے
جو کبھی میرے حوالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

آؤ اے تیرہ شبو اس کو منا لیں جا کر
جس کے دامن میں اجالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

میں بھی ہر بات پہ قصداً ہی جواباً چپ تھا
اس کا مقصد بھی سوالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

ایک تصویر کے کچھ نقش تھے دھندلے دھندلے
اور دیوار پہ جالوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆